کربلا-ایک ابلاغی معرکہ

م-ر-عابد

کربلا کے جہات (Dimensions/आयाम) کئی ہیں اور مرحلے بہت ہیں۔اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کربلا کے مورچے کئی ہیں۔

(لیکن ایسا کوئی بھی مورچہ نہیں ہے جو امام کے نام نہ رہا ہو۔کسی شاعر کی تخیلی رونے کہا ؎

یزید مورچہ جیتا ہے جنگ ہارا ہے۔

یہ شاعر کی اپنی سوچ ہے۔ممکن ہے وہ تلوار کی دھار میں ہی الجھ کر رہ گئی ہو اور آگے......خون کی کاٹ کا اندازہ نہ کر سکی ہو......شاعر سے مودبانہ معذرت کے ساتھ یہ کہنے کی جسارت کروں کہ یزید کوئی بھی مورچہ جیت نہ سکا۔یہ حقیقت ہے، عقیدہ یا عقیدت سے نکلی ہوئی بات نہیں۔)

ان مورچوں میں ایک بڑا ہی اہم مورچہ ابلاغی معرکہ آرائی ہے۔ممکن ہے آج کی چکا چوندھ والی میڈیا کے مثبت ومنفی یلغار کی ماری نگاہ میں چودہ سو سال پہلے کا ابلاغی منظر نامہ مبہم اور بے اہم ہو۔مگر آج کی بہ نسبت بہت سمٹے ہوئے ذرائع کے باوجود خود ابلاغ کا وجود تھا۔یعنی ایک بیدار انسانی ذہن میں ابلاغ کے زندہ شعور سے انکار ناممکن ہے۔(ابلاغ سے انسان کا رشتہ کم از کم ازلی تو ہے ہی۔ازل کی بات نہ بھی کریں، تب بھی جذبات واحساسات سے پُر طبیعت کے ناطق ذی حیات کی جیسے ہی پہلی مرتبہ اپنی نوع کی دوسری ہستی سے آنکھیں چار ہوئی ہوں گی ویسے ہی پہلا کام ابلاغ کا ہی ہوگا۔اس کے بعد ابلاغ کا اپنا فطری سفر ہے۔)

کربلا کی ابلاغی معرکہ آرائی کا افتتاح مدینہ کے اموی گورنر کے راج بھون ہی میں ہوتا ہے۔یزید کا حکم اور امام سے مطالبہ بیعت کا جو انداز ملتا ہے اس سے وقتی حکومت کی سوچ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔سرکاری فرمان، ظاہر ہے، لغزش مستانہ کا مکتوب نہیں۔فرماں روا معمولی حیثیت کا یا عامی ذہن کا سیاسی کھلاڑی نہیں ہے۔اس نے اب تک کے سب سے بڑے سامراج کے محل کی چار دیواری میں ہوش سنبھالا ہے۔اسے اپنی ماں کے دودھ کے بجائے باپ دادا کی سیاست ومہم جوئی نے پالا ہے اور سدھایا ہے۔اس کی رگوں میں کئی پشتوں کی خاندانی 'بے تاج' بادشاہی کا خون رواں ہے۔اسے روم وایران کی عالی شان سلطنت بڑھ کر ترکہ میں ملی ہے۔ولی عہدی کے زمانہ ہی میں اس کی عام بیعت کی پیش بندی سے اس کی حکومت کو مضبوطی اور موروثی قسم کی سکیورٹی (سلامتی وحفاظت) حاصل ہو چکی ہے۔اس کی بیعت نہ کرنے والوں کی فہرست انتہائی مختصر ہے۔(عددی اعتبار سے ناقابل ذکر اور غیر اہم) لیکن یہ فہرست خود اس کی نگاہ میں جمہور عامہ کے مقابلہ میں زیادہ ہی اہم لگتی

ہے اور اتنی قابل ذکر کہ پہلا سرکاری مشن اسی سے معنون کردیتا ہے۔ اس فہرست میں بھی ایک حسینؑ ہی ہیں جن پر ساری توجہ مرکوز کردی جاتی ہے۔ اس ارتکاز (Zeroing) کی بنیاد جو بھی رہی ہو، اس سے امام کی انفرادی وامتیازی حیثیت واہمیت کا پتہ ضرور چلتا ہے۔ پھر، سرکاری تہدیدی فرمان حصول بیعت تک محدود ہوتا تو بات کچھ اور ہوتی۔ لیکن یہاں فرمان انکار بیعت کی پاداش یا 'سزا' تک پہنچ رہا ہے۔ اقدام (مطالبہ بیعت کا جواب) سے قبل ہی سزا سنانے کے کیا معنی۔ حاکم وقت کا ہدف بیعت حاصل کرنا نہیں معلوم ہوتا (وہ خود بیعت کے مطالبہ کو سعی لاحاصل سمجھے ہوئے ہے) اس کا نشانہ امام کو ختم کرنا ہے۔ اسے میراث میں جو عام فضا ہاتھ لگی ہے وہ حضرت علیؑ کے خلاف دسیوں سال کی مسلسل سخت بدابلاغی اور کردارکشی کے اثرات سے مرتب ہوتی ہے۔ ادھر، اب دنیا میں نہ امیرالمومنینؑ ہیں، نہ ان کے وارث وجانشین امام حسنؑ۔ وہیں صلح کے بعد امام حسنؑ کی ساڑھے نو سالہ خاموشی اور اسی سے جڑی ہوئی تقریباً دس سال کی امام حسینؑ کی خاموشی، کیا اس کے بعد بھی اب امام سے کسی انحرافی قدم (خاموشی توڑنے) کی ہلکی سی بھی امید کی جاسکتی تھی۔ لیکن یزید بڑی دور کی سوچ رہا ہوگا۔ اس کے سامنے حضرت علیؑ کی پچیس سالہ خاموشی کی ابلاغی توانائی اور اس کی اثر آفرینی تھی، بلکہ ایک (موروثی) بیدار سیاسی کھلاڑی ہونے کے ناطے اسے اسلام کی کرامتی ابلاغی قوت وطاقت کا پورا احساس رہا ہوگا، جس کا سب سے توانا اور فطری وارث بلکہ اس کا سیدھا صارف ومالک اگر کوئی ہوسکتا ہے تو امام، یہی بات تھی کہ کربلا کے بعد اپنی بقلم خود فتح کا ترانہ گاتے ہوئے وہ یہ کہہ جاتا ہے کہ آج بدر واحد میں مارے گئے اس کے پرکھے ہوتے تو شاباشی دیتے ہوئے دعائیں دیتے اور یہ کہ کہاں کی وحی اور کہاں کی تنزیل، یہ تو بنی ہاشم کا ڈھونگ تھا۔ اس کا سیدھا مطلب ہے کہ یزید کا اصل نشانہ وحی یعنی اسلام کا ابلاغ تھا۔

اس طرح آخر آخر بزعم خود فتح وظفر کے نشہ میں اپنا مطمح نظر کھول دیا کہ اس کی ساری معرکہ آرائی کا ہدف اسلام کو ناقابل ذکر (نیست ونابود) کردینا تھا چوں کہ اسلام کی بقا کا انحصار امام پر ہی تھا اس لئے ان کو راستے سے ہٹانا ضروری ہوگیا تھا۔ اسلام کو مٹانا اگر ہدف نہ ہوتا تو امام کی شہادت کے بعد بھی مدینہ اور کعبہ یعنی اسلام کی باقی یادگاروں پر حملہ نہ کیا گیا ہوتا۔

اب فرمان کا انداز دیکھئے۔ امام کو قصر امارت یعنی راج بھون بلایا جاتا ہے، فرمان سنایا جاتا ہے۔ امام کا جواب اور اس کے بعد واپس جانے کے وقت ایک مشیر خاص کی طرف سے گورنر کو ٹوکا جانا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ سرکاری منشا ساری کاروائی کو بند کمرے میں اور فوری (Instant and spontaneons) کئے جانے کے حق میں ہے۔ یہ بھی یزید کی ابلاغی مہم کا جز ہے، نہیں تو پھر اور کیا کہیں گے۔ سرکار یہی چاہتی ہے کہ حسینؑ قتل تو ہوں لیکن ایسے کہ قتل پر ابہام کا بڑا موٹا پردا ہو اور قتل پر کوئی بھی غیر سرکاری گواہ نہ ہو، قتل شہادت نہ بننے پائے، کوئی غیر جانب دار تحقیقی نگاہ قاتل تک جا ہی نہ سکے۔ قتل کی خبر اگر سنسر کے بعد نکلے بھی سرکاری

رپورٹ کے علاوہ خبر کا کوئی اور ذریعہ ہی نہ ہو۔

امام عالی مقام کا بلیغ جواب بھی اسی ابلاغی منصوبہ بندی پر بھرپور اور کرارا وار ہے۔ امامؑ سامراج اور راج محل کے خاص نظر کردہ ہم قافیہ وہم قبیلہ خاندانی نمائندہ کو بیعت ہی میں الجھا دیتے ہیں، یہ باور کرا دیتے ہیں کہ خفیہ بیعت بے معنی، لاحاصل اور بظاہر سرکاری منشا کے خلاف ہی ہے۔ مشیر خاص کا لقمہ بھی گورنر کو اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے پر آمادہ نہ کرا سکا۔ اس طرح وہیں راج بھون میں ہی کھڑے کھڑے امام نے حکومت کی ساری ابلاغی منصوبہ بندی کا جنازہ نکال دیا۔ اور پھر، حسینؑ بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے نانا کی آن بان، اپنے باپ کی شان سے راج بھون سے ہی نہیں بلکہ صوبائی راجدھانی مدینہ سے صاف نکل جاتے ہیں۔ خفیہ طور سے نہیں، علانیہ، کھلے عام۔ چلتے چلتے کم از کم اپنے گھر میں اور گھر کے باہر کچھ چنندہ لوگوں کو اپنا عزم عراق بتاتے جاتے ہیں۔ تاریخ میں اپنا مقصد نانا کی امت کی اصلاح بھی لکھا تے جاتے ہیں۔ اکیلے نہیں نکلتے، کارواں کا کارواں ساتھ لے جاتے ہیں...... اس میں بچے، جوان، بڑے، بوڑھے، عورت، مرد سب ہی شامل ہیں۔ (اس منتخب قافلہ کو ساتھ لے جانے کے پیچھے معصوم امام اور پیغمبرؐ کے فطری وارث کی مصلحت کیا تھی، کون جانے، لیکن بعد کو رونما ہونے والے واقعات اور مرتب ہونے والے اثرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہی کاروان امام کی ابلاغی قوت کا نمائندہ اور فعال جانشین پیغامبر ثابت ہوگا۔) اس سب کے پیچھے امام بہت ہی بڑا اور گہرا ابلاغی تاثر (Impact) چھوڑے جا رہے ہیں۔ اس کا پہلا کام امام کے مدینہ چھوڑنے کی خبر کو ایک گرم اور رواں شاہ سرخی بنا دینا ہے۔

اس طرح امام مدینہ ہی میں یزید کے ابلاغی معرکہ کو زیر کر کے اپنی زبردست ابلاغی فتح و برتری درج کرا جاتے ہیں۔

اب امام ابلاغی فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ پہنچ جاتے جہاں چار مہینے کے اپنے قیام کے دوران کوئی بھی ایسی بات نہیں کرتے جو کچھ بھی اشارہ دے کہ امام یزید کے خلاف کوئی نیا ابلاغی محاذ کھول رہے ہیں۔ ادھر یزید تک امام کے اس اقدام کی خبر کے پہنچنے میں اپنا وقت لگا۔ اس کے بعد کوئی نئی اسٹریٹجی (Strategy) سوچنے، اسے منصوبہ کی شکل دینے اور عمل میں لانے کی تیاری میں جو بھی وقت لگایا گیا ہو لیکن امام کا مضبوط وموثق اور پوری طرح Fool Proof حکمت آمیز مواصلاتی نظام اس انتہائی خفیہ (Top Secret) سرکاری سازشی اقدام کی بروقت خبر لے لیتا ہے۔ جس سے یہاں بھی امام کی ابلاغی برتری ظاہر ہوتی ہے۔ ایک مستحکم حکومت کی طرف سے ایک اکیلے نہتے شخص (جس کے کسی اقدام سے کوئی ایسا شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ حکومت کے خلاف جنگ کیا لوگوں کو کچھ بھی ورغلانے کی کوشش کر رہا ہو) کے خلاف سازش تک اتر آنے کا سیدھا مطلب ہے کہ خاموش ٹھہراؤ کے مالک امام عالی مقام کے مقابلہ میں قہر وغلبہ کا مالک حاکم اپنے ابلاغی دیوالیہ پن کا اعتراف کر رہا ہے، ورنہ کیا پہلے کی طرح کا کوئی دوسرا سخت تر سرکاری فرمان جاری کرنے اور اس کی تعمیل میں ایسے اقتدار والے زبردست حکمراں کے لئے کوئی اڑچن سوچی جا سکتی ہے۔

بہرحال اس دوسرے سرکاری اقدام کا امام کی طرف سے جواب پہلے سے کہیں زیادہ ابلاغی اثر (Impact) مرتب کرتا ہے۔ چار مہینے سے مکہ میں قیام کرنے والا، پچیس حج پیدل کرنے والا بانیٔ اسلام کا لخت جگر، قبلۂ ایماں، روح اسلام عین حج کا وقت سر پر آتے ہی مکہ چھوڑ دیتا ہے۔ اس وقت پوری مسلم دنیا کے کونے کونے کا نمائندہ مجمع ہے جو امام حسینؑ کے اس ابلاغی پیغام کا زندہ، نمودار اور زبردست و پرجوش مبلغ بن رہا ہے۔ اس ابلاغی اثر کو روز بروز عام اور گہرا ہونے کو دنیا کی کوئی بھی طاقت روک نہیں سکتی۔ اس طرح یہاں بھی امام نے وقت کے فرماں روا کی بدبھی (Misadventure) کو بڑی زورداراور کراری مات دے کر اپنی ابلاغی دھاک جمادی اور اپنا ابلاغی سکہ چلا دیا۔

بالآخر امام اپنی منزل آخر یعنی عراق کی طرف کوچ کرتے ہیں۔ سفر کا عالم ہے۔ امام کا مواصلاتی نظام اپنا کام کرتا ہے۔ مکہ ٹھہرنے کے دوران تو یک گونہ سکون کا احتمال بھی تھا اور ایسے میں مواصلاتی نظام چلانے کا بندوبست اتنا زیادہ آزمائشی اور نازک (Critical) نہ ہو جتنا اب وقتی صورت حال سے ہے جب سفر جاری ہے۔ سامنے عرب کا پھیلا ہوا ریگستان ہے، دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہیں، سنسانیوں کا راج ہے، سفر کے مصائب وصعوبات اور سختیاں الگ۔ ابلاغی تنگ سامانی اپنی جگہ۔ ایسے ہمت شکن کٹھن حالات میں امام کا مواصلاتی نظام مہم جوئی اختیار کرتا ہے۔ امام کو عراق کے بدلتے ہوئے منظرنامہ کی دن دن پل پل کی خبر دیتا ہے۔ پرآشوب زمانہ میں عام مسافروں سے کوئی خبر خصوصاً نازک خبر حاصل ہونے کی توقع بھی فضول ہے۔ امام کی خبررسانی کے انتظام اور مواصلاتی نظام کی پختگی تھی جو یہ مہم سر کررہی تھی۔

راستے میں امام خطبے دیتے گئے۔ ان کے ابلاغی ٹھہراؤ اور نشرپذیری کی اپنی تاریخ ہے۔ آگے حر کے لشکر کا سامنا ہوتا ہے۔ دشمن لشکر سے امام نے اپنا ابلاغی اثر نامہ مرتب کیا۔ یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ امام کی پیش رفت میں اس لشکر کی مزاحمت بہت دیر میں ہوئی۔ یہاں بھی سرکاری مواصلاتی نظام کی کمزوری سامنے آتی ہے۔ حر بظاہر امامؑ کو گھیر کر کوفہ (یا دمشق) لے جانے کے لئے نازل ہوا تھا۔ امام نے دوسرا راستہ تو اختیار کیا لیکن گھر کر جانا گوارا نہ کیا۔ ممکن ہے یزیدی اسٹریٹجی میں یہ ہو کہ امام کو سیاسی وتمدنی طور سے کسی غیراہم چھوٹی سی بستی تک لے آیا جائے تاکہ ایسی جگہ امام سے نپٹنا اور سب سے زیادہ اس کے مخالف وناگوار ابلاغی اثرات سے یکسر محفوظ رہنا آسان ہوجایئے۔ (وہی بند کمرہ میں راتوں رات قتل کردینے والی سوچ) یہاں پر کوفہ کا نام آجانا ممکن ہے خود حر کی ڈپلومیسی (سفارتی پالیسی) رہی ہو۔ کیونکہ حر کی نمک حلالی اور بروقت تیور (لگام تک دست درازی کی حد تک امام کی شان میں گستاخی) سے امام کی کسی رعایت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

امامؑ آگے بڑھتے ہیں، کربلا کے کرب وبلا تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ فرات کے کنارے خیمہ لگاتے ہیں۔ بعد میں دشمن فوج کی طرف سے لڑائی پر اتارو ہوجانے پر خیمے بھی ہٹا لیتے ہیں۔ یہاں بھی ان کا ابلاغ کام کرلیتا ہے، تاریخ میں

اپنی بات درج کرا جاتے ہیں۔ ۲ سے ۹ محرم کی شام تک کے واقعات سے قطع نظر (طوالت کے خوف سے) ۹ محرم شام کی بات کی جائے۔

شام ہی کو اچانک شام کی فوج دھاوا بول دیتی ہے۔ دور جاہلیت میں بھی شام کے وقت جنگی حملہ عام عرب دستور اور رزمیہ مسلمات کے خلاف تھا......لیکن یزید کو دستور و مسلمات کیا دیکھنا، وہ تو جاہلیت کی حد سے گذرا ہوا ہے۔ حکومت وقت کی یہی اسٹریٹجی ہے کہ جو کچھ ہو اندھیروں میں ہو جائے (اندھیر میں اندھیر ہو، اندھیر پر اندھیر ہو۔) مجرم صاف بچ نکلے، حاکم کے دامن تک ہلکے سے شبہ کی چھینٹ بھی نہ جائے اور اس کی فوج اگر رنگے ہاتھوں پکڑی بھی جائے تو اپنی صفائی میں یہ تو پیش کر سکے کہ اندھیرے میں ہم دیکھ نہ سکے، کیا ہو گیا، کون کب کیسے قتل ہو گیا۔ یعنی اگر کبھی دنیا یا کہیں جا کر تاریخ اس کو جرم قرار دے تو شبہ کا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

یہاں پر امام ایک بہت بڑا ابلاغی معرکہ سر کرتے ہیں، کسی نہ کسی طرح لڑائی کو صبح تک کے لئے ٹال لے جاتے ہیں، یعنی رات کے اندھیرے سے نکال لے جاتے ہیں تاکہ رات ابلاغی اندھیر نہ کرنے پائے۔ اس مشن کی تعمیل میں یہاں حسینی سفیر وہی ہے جو کل لشکر کا علم سنبھالنے والا ہے۔ (بظاہر دو متضاد قسم کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ نبھا لینا حضرت عباس کا کارنامہ ہے۔)

یہ مرحلہ بڑا ہی اہم اور تاریخ ساز موڑ ہے جو اصل معرکہ پر اثر انداز ہونے والا ہے۔ اس مرحلہ کے بعد امام اپنے ساتھیوں کو جمع کرتے ہیں۔ پھر خود ہی شمع بجھا دیتے ہیں۔ یہ امام کی خاص مصلحت ہے، تاکہ حسینؑ کے ایک خاص پیغام کی ابلاغی لو روشن ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھیوں کی وفا کی چمک دمک (Fluorescence) نمایاں ہو جائے۔ اسی میں امام تاریخ تک یہ بات پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ امام خود اپنی اور صرف اپنی جان قربان کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں، بلکہ بڑے ہی اشتیاق کے ساتھ اس کا انتظار بھی کر رہے۔ اور پھر یہ کہ وہ اپنے علاوہ کسی ایک کا خون بہانے کے روادار نہیں۔ (بعد کا کوئی یزیدی جنبہ دار یا کسی الٹی سیدھی سوچ کا کوئی بھی یہ سوچ تک نہ سکے کہ حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کا خون بہانا پسند کیا اور اس طرح ایک حساب سے، صفین برانڈ سوچ سے وہ خود ہی ان کے خون کے ذمہ دار ٹھہریں۔) یہاں حسینؑ نے پہلی بات جو کہی وہ یہ کہ یہ دشمن (یزید اور اس کے ہم نوا) میرے اور صرف میرے خون کے پیاسے ہیں، میرے علاوہ کسی اور کا خون نہیں چاہتے۔ اس کا مطلب امام یزیدی منصوبہ کے حدود ناپے ہوئے ہیں۔ یہ سب امام کی ابلاغی توانائی و بیداری و روانی کو ظاہر کرتے ہیں۔

آگے عاشور کا مرحلہ ہے۔ شروع شروع ہی میں امام دشمن فوج سے اپنی بے گناہی پر دستخط لے لیتے ہیں، اپنے خون کے جواز گنا کر۔ دشمن کی صف سے بغضاً لاینفک کا اقبالی بیان بھی حاصل کر کے تاریخ کے حوالے کر جاتے ہیں۔ اس بیان میں ایک اور بات مضمر ہے۔ وہ یہ کہ دشمن سپاہی جن کی اکثریت یا تو جناب امیرؑ کے بعد ہی پیدا ہوئی یا کم از کم

انھوں نے ہوش سنبھالنے کے بعد امیرالمومنینؑ کو دیکھا بھی نہیں۔ پھر ان کا بغض علیؑ پر متفق ہو کر امام حسینؑ کے قتل پر آمادہ ہونا کیا معنی!! یہی تو کہ یہ بغض انھیں میراث میں ملا ہے یا گھٹی میں پلایا گیا ہے۔ اس طرح یہاں بھی مخالف کا پول کھول کر امام اپنی ابلاغی معرکہ آرائی کے فاتحانہ خطوط واضح کررہے ہیں۔ اس کے بعد بھی قدم قدم پر امام ایسے ابلاغی مورچے سر کرتے ہیں، ابلاغی مورچے کھولتے بھی رہے جو دشمن کو زیر کرتے رہے۔ مثلاً عین جنگ کے شباب پر جب بولتا ہوا رن پورے زوروں پر ہے، امام دشمن سے نماز کی مہلت کے لئے کہلاتے ہیں۔ اسلامی قدروں کو پامال کرتا ہوا دشمن کے جواب کو امام تیروں کی بوچھار میں نشر کر کے اپنی ابلاغی معرکہ آرائی کا ظفر نامہ نقش کرجاتے ہیں۔

(تفصیل کی گنجائش نہیں، مضمون یوں بھی طول پکڑ چکا ہے بس) ایک بات اور۔ امام کے پاس اپنے بعد اپنے پیغام کی بقا کا انتظام جاریہ بھی ہے، ان کے ابلاغ کا وارث پسماندوں کا سوگوار سہی لیکن ابلاغی طور پر انتہائی قوی، پیغام حسینی کا سفیر ایک قافلہ بھی ہے۔ اس قافلہ کا کام خود دشمن اسے اسیر کر، تشہیر کر کے آسان کر گئے۔ کربلا نہ کوئی بڑی بستی تھی، نہ ہی کوئی منڈی، نہ ہی عام رہ گذر پر تھی۔ آبادی سے کٹے اس سنسان بیابان میں حسینؑ کے ساتھ کربلا کو بھی وہیں دفن کردینا بڑا آسان نسخہ تھا۔ لیکن اب اس ستم ظریفی کو کیا کہئے۔ خدا کا کرنا تھا، سچ کی تلخی تھی جو اگلنے پر مجبور ہوئے، کھسیانی بلی کھمبا نوچے، والانفیساتی دیوالیہ پن تھا کہ انھوں نے شہیدوں کے لاشے بے دفن و کفن چھوڑ دیئے، اپنے ستم کے نقوش کھلے چھوڑ دیئے، کم از کم اہل حرم کو اسیر ہی نہ کرتے..... قیدی بنایا تھا تو کم از کم اپنی زبان ہی بند رکھتے۔ خارجی کا ہوا نہ کھڑا کرتے۔ کون ان سے پوچھنے والا تھا۔ اہل حرم کو اسیر کیا تھا ہی، تشہیر نہ کرتے خارجی کا ہوا کھڑا کیا تھا تو شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کہیں جاتے کم از کم کوفہ نہ جاتے۔ ارے ان شہیدوں کے سروں میں زیادہ تر اسی کوفہ کے ہیں۔ کوفہ میں تو یہ سب پہچانے جاتے ہیں۔ خارجی والی ساری ابلاغی بدہبی بازار کوفہ میں ہی چت ہوئی جارہی ہے۔ اور اس کی چتا کی راکھ اڑانے کو اس لٹے ہوئے اسیر قافلہ کے خطبے ہیں۔

حسینی ابلاغ کا وارث یہ اسیر قافلہ امام کے ابلاغی تاثرات کے ترکہ کے سائے میں اپنے ابلاغی معرکوں کے یادگار نقش چھوڑتا جاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ کہیں فوج یزید پر شہر کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، کہیں اس سے لین دین توڑ دیا جاتا (رسد بند کردیا جاتا ہے) اور کہیں باقاعدہ تلوار سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ آگے شام کا مرحلہ ہے۔ دربار میں اب یزید کا سیدھا سامنا ہے۔ آمنے سامنے کی ابلاغی جنگ ہے۔ اس ابلاغی معرکہ کی تفصیل تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس سے حسینی قافلہ کی انتہائی ابلاغی توانائی و بیداری و برتری کا صاف پتہ چلتا ہے۔ پھر تو یزید کی بولتی بند اور حسینی ابلاغ کا بول بالا دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح گونگے ہوئے حاکم کے خزانہ ظلم میں اب ایک ہی سکہ بچ رہا ہے۔ (اسے لے اور آزما دیکھ!!)

قافلہ زنداں کی تاریکیوں کے حوالے کردیا جاتا ہے۔

لیکن ان اندھیروں کو کیا دیکھنا، باہر تو ابلاغ حسینی اپنی روانی، گیرائی اور گہرائی پکڑتا چلا جارہا ہے۔ کہیں اسی کی دھمک سلطنت کے دل ودماغ تک پہنچ ہی جاتی ہے۔

اس کے غرہ ظلم وطاقت کا آخری سکہ اپنی ہر قیمت کھوتا دکھائی دیتا ہے۔ سرے سے کنگال ہوئی ظلم پناہی اپنی تھرتھراتی ہوئی بھرائی آواز میں اسیر اہل حرم کی رہائی کا فیصلہ سنا ہی دیتی ہے۔ کچھ بھی ہو، یہ رہائی ضرور کوئی مجبوری تھی۔ رہائی کے فیصلہ کے الفاظ کا جائزہ لے کے دیکھیں، ورنہ اس رہا ہونے والے قافلہ کا طرزِ عمل دیکھیں۔ آزاد ہوئے پنچھی کی طرح پیچھے دیکھے بغیر پھُر نہیں ہوجاتا۔ نہ وطن کی طرف تیز گامی دکھاتا ہے، نہ کربلا کی جانب جہاں اپنوں کے بے دفن وکفن لاشے چھوڑ آیا تھا۔ بلکہ یہیں کی کھلی ہوئی فضاؤں میں حکومت وقت کی سمٹی ہوئی جکڑی ابلاغی دنیا، اس کی پر کٹی اڑان اس کے حوصلۂ ظلم کی تکان، اس کی ٹوٹی ہوئی مچان، دھنستا ہوا مکان، الٹتا ہوا زمان، چھدا ہوا سائبان، تنگ ہوا آسمان......ان سب کو تشہیر بھی تو کرنا ہے۔ ظلم وبربریت کی جو کہانی لکھتے لکھتے قلم اقتدار ٹوٹ چکا ہے، اس میں اپنے نئے قلم سے موٹے موٹے حرفوں میں The End لکھتا ہے، پھر ظلم کی اختراعی داستان کی تخئیل کو یو(U) ٹرن دے کر اپنا نیا ابلاغی انشائیہ تحریر کر ذہن انسانی اور تاریخ کے سپرد کرنا ہے۔ یہیں قصر ستم بنائی وظلم پناہی کے صدر دروازہ پر اپنی جیت خصوصاً اپنی ابلاغی معرکہ آرائی کا علم نصب کرنا ہے۔ یہیں صف عزا بچھانے کا مطلب؟ دشمن بستی، میں بیر کی کھیتی پر سوگ! اپنے ہی بغض کی کٹیلی گھنی جھاڑیوں کے بیچ اپنا دکھڑا رونا!! حسینی ابلاغ کی توسیع کا ذمہ وار، وارث قافلہ کچھ اور دیکھ رہا ہے۔...... اب باہر کی فضائیں اپنی ہیں۔ (ظاہری حکومت کا چل چلاؤ بس آن پہنچا ہے) یہی صورت (یا مہورت، اگر آپ کہنا چاہیں) بڑی نیک ہے۔ یہیں 'مجلس' کی بنا یعنی یادگار حسینی کے نقش دوام کا سنگِ بنیاد رکھنا ہے۔ ابلاغ حسینی کے شمارۂ بقا کا اجراء کرنا ہے۔

آج بھی انفس وآفاق کی فضاؤں میں ہر طرف 'یاحسین! یاحسین!!' کی گونجتی ہوئی آوازیں اسی ابلاغی معرکہ آرائی کا شاہنامہ، بلکہ حسین نامہ نہیں تو کیا؟